"یہ قدسیہ کا فیصلہ ہے شاید وہ خوش ہو؟"

ریاض ویسے ہی ایک کان کا آدمی ہے۔ ایک کان سے کم سننے کی وجہ سے وہ پوری انفرمیشن کئی بار مس کر جاتے
اسی لیے اس میں بچوں جیسی معصومیت ہمیشہ غالب رہتی ہے۔

"وہ.....وہ آپا جی تو ہمیشہ خوش رہتی ہیں جی ان کی کیا بات ہے۔"

خاں صاحب لمحہ بھر کو ہولے سے کھنگارے۔ پھر بولے: "خوش نصیب ہے نہ اس کو کوئی سوال ستاتے
احساس جرم کی بھی شکار رہتی ہے..... کسی کو قتل کرنے کے بعد بھی وہ راضی خوش رہ سکتی ہے۔"

• • • ● • • •

36-جی' ماڈل ٹاؤن

ماڈل ٹاؤن میں آمد خاں صاحب کے لیے بڑا دوجھل فیصلہ تھا۔ شاید ان کے لیے خاص طور پر لمبی اور غم انگیز
جی سکھوں کا چھوڑا ہوا چھ کینال پر پھیلا ہوا قدرے بوسیدہ صورت بنگلہ تھا۔ اس گھر کے دو پھاٹک تھے۔ ایک
سکول کے رخ پر تھا اور دوسرا ماڈل ٹاؤن کی لائبریری کی جانب۔ اس گھر کے سامنے ماڈل ٹاؤن کی دو رویہ

گر اس گھر کے برآمدے میں کھڑے ہو کر دیکھتے تو سامنے ایک Oval شیپ کی Unkept لان تھی، جس میں
میں تالا ڈالنے کا رواج نہ تھا۔ دائیں جانب سے داخل ہو کر نیم دائرے سے چل کر پورچ آتی۔ اس کے
عہد کی یاد دلاتے۔

پھر تین سیڑھیاں چڑھ کر برآمدہ تھا، جس میں پنگ پانگ کا میز دھرا تھا۔ جواد، بلال اور میرے بچے یہاں پنگ
کیا کرتے۔ ایلچی کے درخت پر چڑھنا بھی ان کا ایک محبوب مشغلہ تھا۔ برآمدے کے دونوں پہلوؤں پر ایک
ایک میں جواد رہتا تھا۔ دوسرا ڈاکٹر ایوب کا کمرہ تھا، جو ایوبی کی تحویل میں چلا گیا لیکن خاں صاحب نے اسے
نہ کیا۔ اسی کمرے سے ملحق ایک غسل خانہ تھا، جس میں سفید ٹائلیں لگی تھیں۔

اس کے ساتھ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس میں خاں صاحب، بچے اور میں رہتے تھے۔ نانا آ جاتیں تو وہ بھی
رہتیں۔ اس کمرے سے جڑی ہوئی چھوٹی سی پینٹری اور باورچی خانہ تھا۔ ایل شیپ برآمدے سے گھر کے اندر
لیے ایک لمبی گیلری تھی جس میں دائیں ہاتھ پر بیڈ روم سے مشابہ بڑا سا ڈرائنگ روم اور اس کے ساتھ جڑا ہوا
تھا جس میں بلال رہتا تھا۔

جواد اور بلال کے کمروں میں ایک سانجھا دروازہ تھا۔ گیلری ایک طرف تو پچھلے برآمدے میں کھلتی تھی۔
ایک شاخ ڈرائنگ روم کے ساتھ ساتھ ایک غسل خانے کی طرف جاتی تھی، جس میں سفید ٹائلز لگی تھیں اور نامٹ
Squating فلش لگا تھا۔ اس گیلری سے اوپر نیم چھتی کی سیڑھیاں کھلتی تھیں۔

اس نیم چھتی میں خاں صاحب کی ساری کتابیں، رسالے، کاپیاں تہہ در تہہ ڈھیر کردی گئیں اور تعجب کی بات ہے کہ ان کو کبھی الماریوں میں لگانے کا خاں صاحب کو خیال نہ آیا۔ کتابیں عجب کسمپرسی کی حالت میں پڑی رہتیں جس طرح ہر انسان کا ماضی اُسے پکارتا رہتا ہے، ایسے ہی وہ خاں صاحب کی منتظر رہتیں۔

عین ڈرائنگ روم کی پشت پر گیلری کے ساتھ ساتھ دو کمرے تھے۔ ایک تو ہم نے ڈائننگ روم بنالیا اور دوسرا کمرہ جو آپا فرخندہ کا تھا، یہ خاں صاحب کی تحویل میں چلا گیا۔ باورچی خانے کا دروازہ، کھانے کے کمرے کا اور آپا جی کے کمرے کا دروازہ سمیت گیلری کے دروازے کے ایک بڑے کشادہ برآمدے میں کھلتے تھے، جس میں سفید پتھروں کی شطرنج بچھی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کھلا صحن تھا جس میں جواد سائیکل پر بچوں کو "جھوٹے" دیا کرتا تھا۔

برآمدے کے بائیں طرف صحن کے پار ایک کھلا باورچی خانہ اور گودام تھا۔ ہم عموماً اسی باورچی خانے میں لمبے سے میز پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ صحن میں باورچی خانے کے باہر ایک بڑا سا املی کا درخت تھا جہاں جیونی کا تلے چولہا جلتا۔ صحن کے پچھواڑے چاروں طرف اونچی دیوار تھی اور عین باورچی خانے سے دوسری سمت غسل خانہ جیونی، رمضان کی تحویل میں تھا۔

صحن میں املی کے علاوہ دو درخت بیری کے بھی تھے، جن کو نہ جانے کب پھل لگتا۔ کب بیر جھڑتے۔ کون کون توڑتا۔ اس غسل خانے کے علاوہ ایک پرانی وضع کا چھوٹا سا بغیر چھت کے نہانے کا غسل خانہ تھا، جس کے باہر کی جانب ایک دروازہ کھلتا تھا۔ اس دروازے سے نکل کر کوٹھی کی دیوار سے ملحق تین سرونٹ کوارٹر تھے، جن کے دو پیڑ آموں کے تھے۔ یہ قلمی آم نہیں تھے۔ ایک اچاری آموں کے کام آتا تھا، دوسرا کھٹا میٹھا سب کھاتے۔ تھے۔ کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ یہ سائیڈ کچن گارڈن سے مشابہ تھی۔

گھر کے ملازم رمضان، مائی اور جیونی مائی اس گھر کے رتا دھرتا ایک قسم کے مالک ہی تھے۔ سرونٹ طرف ایک بمبئی نلکا تھا، جس سے رمضان بھائی اس کچن گارڈن کو پانی دیتے۔ اثیر خاں ابھی بھائیوں کے ساتھ پبلک سکول نہیں جاتے تھے۔ وہ جیونی مائی کے بیٹے خلیل کے ساتھ یہاں ہی کھیلتے رہتے اور ہماری بے خبری کا یہ کہ ہم نے کبھی نہ اثیر کی نگرانی کی نہ اُسے کبھی ٹوکا ہی کہ وہ باہر کوارٹروں کی طرف نہ کھیلے نہ کبھی یہ وہم ہی ہوا کہ وہ سیکھ رہا ہے۔

میں عجب غفلت کی ماری ہوئی ماں تھی۔ مجھ پر ہندو سوچ کا گہرا اثر تھا۔ ہندو مسلمانوں کو ملیچھ اور شودر سمجھتے میرا اپنا تجربہ ہے ہندوؤں کے ہمسائے میں رہ کر میں نے اُن کی برہمن جاتی سے کچھ تکبر بھی حاصل کر لیا تھا۔ میں برہمن کی طرح اپنے آپ کو ٹھیک سمجھتی اور اپنا کہا منوانے کے چکر میں رہتی۔ وقت Disillusionment کا تھا اور راستہ اسلامی راستہ تھا لیکن میں اسلامی اخوت کا سبق سیکھی ہی نہ تھی۔

میری روح ہندو استری کی تھی۔ میں پتی دھرم اور پتی بھگتی کے مسلک پر کاربند تھی۔ میری ڈکشنری میں اسلامی شادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ تعدد ازدواج، طلاق، خلع، پسند کی شادی، برابری کا دعویٰ، منفرد حیثیت وغیرہ میرے نزدیک گالی تھی۔ میں آواگون کی تشریح کو بھی بخوبی نہ سمجھتی تھی لیکن میرے نزدیک ایک ہی شوہر سے جنم مرن کا تعلق

اس پہلو پر یقین رکھتے ہوئے میں پکی Monogamist تھی۔ ممتاز مفتی نے سب سے پہلے میری اس خوبی
بھانپ کر مجھ پر مضمون لکھا تھا۔

جب تک خاں صاحب گھر رہتے، میں سائے کی طرح اُن کے پیچھے لگی رہتی۔ مجھے ہر لحظہ اُن سے بچھڑ جانے کا
جونہی وہ مرکزی اردو بورڈ چلے جاتے میں لکھنے لکھانے میں مشغول ہو جاتی۔ بچے سکول سے لوٹتے، باورچی
بیٹھ کر ہم کھانا کھاتے۔ پھر ہم چاروں سو جاتے۔ سر پر سے بلا ٹالنے کے انداز میں مَیں اُنھیں کھانے کی میز کے
پڑھاتی۔ نہ مجھے اُن کی پڑھائی کا خاطر خواہ علم تھا نہ میں سائنس کے متعلق کچھ جانتی تھی۔
مجھے اُن کی تربیت کی کوئی سمجھ بوجھ نہ تھی۔

1965ء کی جنگ میں جب بھارت کے طیارے گھر کے اوپر سے گزرتے تو میں بچوں کے لیے کبھی خوفزدہ نہ
خاں صاحب نے اُن دنوں بچوں کو ساتھ سلانا شروع کر دیا اور جب نانا میری والدہ خوفزدہ ملتان سے آئیں اور
زمینوں پر لے جانا چاہا تو خاں صاحب نے بخوشی اجازت دے دی۔

میرا حال اپنے لوئر مڈل کلاس کے جہلا جیسا تھا جو ہوائی جہازوں کی Straffing دیکھنے چھتوں پر چڑھ کر نظارہ
تھے۔ جو آج بھی بچوں کی گردنیں کٹوا دیتے ہیں، لیکن دھاتی تاریں پتنگ بازی میں استعمال کرنے سے نہیں
اسی جہالت کے باعث میں نے اپنے بچوں میں خود اعتمادی کا وہ بیج نہ بویا، جو مثبت محنت کا ثمر ہوتا ہے۔

میں نے انہیں مسابقت، آگے بڑھنے اور اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوئی تربیت نہ دی۔ میں خود غافل،
وجود اور اپنے شوہر کے بعد اپنی ذات میں مشغول رہنے والی عورت تھی۔ اسی لیے جب میرے بچوں پر ذمہ داریاں
بوکھلا گئے اور گہرے حزن کا شکار ہو گئے۔

میں جب نئے گھر 36۔ جی میں پہنچی تو یہاں کے باسی میرے لیے مکمل طور پر اجنبی تھے۔ میں نے آپ کو دور
کی غرض سے نہیں بلکہ اس نیت سے گھر کا نقشہ بیان کیا ہے کہ مکان کا مکین پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ محلوں میں رہنے والے
طرح سوچتے ہیں اور جھونپڑیوں کے باسی اپنی سوچ میں کوئی اور زاویہ نگاہ رکھتے ہیں۔

آپ شاید اسے طبقاتی تفریق پر محمول کریں لیکن میرے نزدیک درو دیوار، کھڑکیاں، فرش، پردے، ہر وقت
والی چھت، سرکنڈوں کی اُساری ہوئی دیواریں کچھ اور قسم کی سوچ پر مائل کرتی ہیں اور جب انسان مختلف موسم، کسی
کسی ماحول میں رہتا چلا جاتا ہے تو اس کا رویہ، سوچ اور عمل میں عادت کا عنصر غالب آ جاتا ہے۔

سمن آباد اشفاق صاحب کی عادت بن چکی تھی۔ سمن آباد سے بچھڑنے کے بعد دیر تک وہ راتوں کو جاگتے
وہ اپنے پرانے ماحول سے بچھڑ کر نئے گھر میں adjust نہیں ہو رہے تھے۔

مجھے خیال آ رہا ہے کہ اشفاق صاحب جب اپنے اصلی گھر رخصت ہو گئے تو سب سے زیادہ میری نیندوں پر اثر
کی بیماری کے دوران میں راتوں کو جاگنے اور بار بار جاگتے رہنے کی عادی ہو گئی تھی۔ بڑی برداشت والے اشفاق
بھی ہتھیار ڈالتے جا رہے تھے۔ فجر کے قریب جب مریض، چور اور نمازی جاگنے کے عادی ہوتے ہیں میری بھی
کھل جاتی۔

بستر پر کروٹیں لیتے میں نے کچھ عرصہ بعد نوٹ کیا کہ نماز سے کچھ عرصہ پہلے مسجد کی طرف سے تہجد گز گزاروں کے ذکر کی ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگتیں۔ جونہی فجر سے کچھ پہلے نمازی مسجد کے راستے پر آتے۔ جاتے اور بھونکنا شروع کر دیتے۔ سوئے ہوئے کتے عادت کے اس قدر عادی تھے کہ بھونکنا اُن کے شعور کا حصہ دن کی دوسری نمازوں کے وقت مسجد کی طرف سے کبھی کسی کتے کی آواز نہ آتی تھی۔

لیکن جب لاشعور کسی عادت میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس عادت کا چھوٹنا محال ہے۔ میں یہ تو نہیں جانتا کا لاشعور کیا انسانوں کی طرح کام کرتا ہے، لیکن اُن کے بھونکنے کی عادت سے میں نے یہی اندازہ لگایا کہ سوئے ہونے کا اچانک جاگ کر بھونکنا شعوری سطح پر تو ممکن نہیں۔

فجر کی اذان سے پہلے ایک دو ہوائی جہاز جو غالباً مغرب کی طرف عازمِ سفر ہوتے تھے، ہوا میں گونج چھوڑ ان کی آواز شیڈول کے تابع تھی لیکن مجھے لگتا جیسے یہ بے جان جہاز بھی گویا کسی عادت کے تحت عین اسی وقت اڑتے ہے۔ ہوائی جہاز، کتے، نمازی، اشفاق صاحب اور میں کسی ایک شیڈول کے عادی ہو چکے تھے اور عادت ہمیں ایک ایک ہی سمت میں گھسیٹے پھرتی تھی۔ اشفاق صاحب ٹن آباد کے عادی ہو چکے تھے اور اس نئی جگہ میں وہ کمفرٹیبل تھے

اشفاق صاحب کی بڑی بہن آپا فرخندہ میرے لیے بالکل نامانوس تھیں کیونکہ کبھی اُن کے ساتھ رہنے نہ ہوا تھا۔ ڈاکٹر ایوب احمد خاں ہمارے آنے پر موجود نہ تھے۔ وہ لیبیا جا چکے تھے۔ ان کے متعلق اتنی بات وثوق سے ہوں کہ وہ بڑے آدمی تھے۔ وہ نہ صرف ایک بڑے ڈاکٹر تھے بلکہ کردار اور سوچ کے اعتبار سے بھی بڑے آدمی کی فاکٹر تھے۔

مفتی جیسے ایسے معاملوں میں بڑی دوررس نگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے بہت سے بڑے لوگوں کو جس دور بین نظروں سے دیکھ کر خاکے لکھے تو ان خاکوں میں گہرائی بھی تھی اور گیرائی بھی۔ ایک روز داستان سرائے میں اوپر ریکارڈنگ روم میں بیٹھے اپنی کتاب کی کتابت دیکھ رہے تھے تو اثیر ان کے پاس چلا گیا۔ مفتی جی اور اثیر میں تھی۔ کبھی وہ ان کے پاندان کو چھیڑتا۔ کبھی قلم دیکھنے لگتا۔ کبھی قوام کی بوتل کھول کر سونگھنے لگتا۔ مفتی جی ہولے سے ہوں" کہتے لیکن وہ بچوں کو جھڑکنا یا سختی سے منع کرنا گناہ سمجھتے تھے۔

"کیا لکھ رہے ہیں مفتی جی؟" چھوٹے سے لڑکے نے سوال کیا۔

"یار کتاب لکھ رہا ہوں۔ یہی کام ہے جو آتا ہے۔ میں اور کوئی کام نہیں کرتا، بس کتابیں لکھتا ہوں۔"

"یہ کام تو ابو بھی کرتے ہیں۔ آپ کوئی اور کام سیکھ لیجیے۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً کرکٹ۔ ہوائی جہاز چلانا۔"

اثیر کی خواہش تھی کہ وہ کرکٹر بنے اور ہوائی جہاز اڑائے۔ وہ اپنی خواہش مفتی جی کو بھی تفویض کرنا چاہتا تھا

"ناں یار۔ یہ نوجوانوں کے کام ہیں۔ میں اس عمر میں کچھ سیکھ نہیں سکتا۔ بس جو آتا ہے وہی کرتا چلا جاؤں بہت ہے۔"

"کیسی کتاب ہے مفتی جی؟"

"پر خاکے ہیں۔ مثلاً تمہارے باپ کا۔ شہاب صاحب کا۔ تمہاری ماں کا خاکہ۔"

"اچھا، یہ مشکل کام نہیں ہے مفتی جی؟ کیا نام رکھا ہے کتاب کا؟"

"یار ابھی نام سوجھا نہیں۔ نام رکھنا ایک اور مشکل کام ہے۔"

"بڑا آسان کام ہے۔ آپ اس کتاب کا نام 'اوکھے لوگ' رکھ دیں۔"

مفتی جی اٹھ کر تالیاں بجانے لگے۔

"پا لیا..... پا لیا۔ اوئے یار تو نے تو میری بڑی مشکل آسان کر دی۔ کیا نام ہے 'اوکھے لوگ'....."

ڈاکٹر ایوب احمد خاں 'اوکھے آدمی' تھے۔ اوکھے آدمی کی طرح اُن کی توجہ اپنی خوبیوں، خرابیوں پر نہ تھی۔ وہ بن سوچے کر گزرتے۔ انہوں نے کبھی نتائج پر غور کرنے کی زحمت نہ کی۔ انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ان کی طبیعت ان کے لیے مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔ جب انہوں نے چاہا لندن چلے گئے۔ وہاں ایف آر سی ایس کرنے کے بجائے اسپین کی فوج میں شامل ہو گئے۔ واپس آئے 36۔ جی میں منتقل ہو گئے۔ یہاں آٹھ بچوں کے مستقبل سے بے خبر لیبیا چلے گئے۔ پھر ایک وقت آیا کہ کچھ بچے اٹھائے اور انگلستان میں ٹیم ورتھ چلے گئے۔

ٹیم ورتھ کے ہسپتال میں کام کیا۔ بڑی خوبصورت خیال آرا کتاب لکھی۔ اسرائیل کے چنگل سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے بھائی ایوب اسپین کی جنگ میں شریک ہوئے۔ جا بجا خط بھیجے لیکن یہ فلسطین کے مسلمانوں اور اسرائیل کا مسئلہ لاینحل نظر آتا ہے۔ ہر اوکھے آدمی کے اندر ایک بے قرار سیلانی روح ضرور ہوتی ہے۔ وہ اطمینان قلب اور سکون کی راستوں کی خاک چھانتا ہے۔ بھائی ایوب نے بھی زندگی کے اصل مطالب کی تلاش میں عمر بسر کی۔ نتیجہ وہ ضرور پہنچ گئے کہ مسلمانوں کی پستی کی ایک وجہ اسرائیل کی تنگ نظری اور اسلام دشمنی ہے۔ وہ کسی طور پر بھی ہمارا دوست نہیں بن سکتا۔

بھائی ایوب کو علم نہ تھا کہ چھوٹے شہر میں اُن کی سوچ کے آدمی کی کھپت نہ تھی۔ جلد ہی انہوں نے ایک اور فیصلہ کیا اپنی Qualifications کو بہتر کرنے کے لیے لندن سدھارے۔ ڈاکٹر ایوب واقعی ایک بڑے آدمی تھے۔ Lone Wolf کی طرح راہ حیات میں کچھ اپنے وجدان، کچھ اپنے تفکر کے سہارے چل رہے تھے۔ منزل کا تعین انہوں نے نہ کیا۔ ان کی نیت اس قدر شفاف تھی کہ غلط فیصلے کے باوجود انہیں کبھی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

انگلستان میں بیرونی حالات نے کروٹ بدلی اور انگلستان دوسری جنگ عظیم کی لپیٹ میں آ گیا۔ بھائی ایوب کی طبیعت پھڑکی اور وہ اسپین چلے گئے، جہاں وہ Fighting Force کا حصہ بن گئے۔ اس طرح چھ سال دونوں نے بن باس سہا۔ آپا فرخندہ جو جی جان سے ایوب بھائی کی عاشق تھیں، ماہی بے آب کی طرح تقریباً چھ سال

حتیٰ کہ جب قیام پاکستان کے وقت بابا جی محمد خاں مکتسر سے لاہور پہنچے تو آپا فرخندہ ساتھ تھیں۔ اسپین میں قیام کی بنا پر ایوب بھائی نے ایک کتاب یہودی لابی کے خلاف لکھی جو جرمنی کے ہولوکاسٹ کی گویا پیش گوئی تھی۔

آج جو کچھ فلسطین میں اسرائیل کے ہاتھوں West Bank میں ہو رہا ہے، اس کی واضح پیش بندی کے طور پر پیش ... میں یہاں کتاب کے اقتباسات طوالت کے طور پر پیش نہیں کر سکتی۔

36۔جی پہنچ کر مجھے یہاں کی کئی پہیلیاں سلجھانا پڑیں۔

میں نے ایک دو مرتبہ آپا فرخندہ کے سب سے بڑے بیٹے سجاد کے متعلق پوچھا تو پتہ نہ مل سکا کہ وہ ... اس کے اوقات کیا ہیں۔ بعد ازاں تابش سے پتہ چلا کہ سجاد تو کراچی میں رہتے ہیں اور کسی کے ساتھ مل کر ... ہیں۔ اپنے بہن بھائیوں میں سجاد سب سے خوبصورت ہے۔ چھ فٹ سے کچھ تجاوز کرتا ہوا قد، چھریرا بدن، ... نین نقش۔ صاحب لوگوں کی طرح گورا چٹا۔ کچھ بھائی ایوب کی رعنائی اور دلکشی، کچھ آپا فرخندہ کا کھویا کھویا سا ... وجاہت اور خوبصورتی پر طرہ یہ کہ اپنی خوبصورتی پر بظاہر کوئی گھمنڈ نہیں۔

وہاں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گزر جانے پر مجھے تابش سے پتہ چلا کہ سجاد نے پڑھائی کو خیر باد کہہ کر کر ... متمول گھرانے کی دراز قد صوفیہ سے شادی کر لی ہے اور وہاں اپنے سسرال میں رہتا ہے۔ ادھے ڈاکٹر ایوب کا ... بھی او کھا نکلا اور روایت شکنی میں اس نے پہل کی کیونکہ صوفیہ پٹھان بچی نہ تھی۔

بہت سالوں بعد جب میں 36۔جی میں نہیں تھی تو سجاد اپنی بیوی لے کر 36۔جی میں وارد ہوا۔ آ... صوفیہ بظاہر بہت Cordial لیکن اندر ساس بہو کا رشتہ پالے ہوئے تھیں لیکن آفرین دونوں پر کہ کبھی کسی کو اند... نہ لگنے دی۔

جب آپا انگلستان چلی گئیں تو سجاد اور صوفیہ ان کے ساتھ گئے۔ سجاد اور صوفیہ کو اللہ نے تین بچے ... ایمان احمد خاں، الطاف احمد خاں اور بیٹی عائشہ۔ میری ان بچوں سے کم کم ملاقات رہی کیونکہ جب ڈاکٹر ایوب ... میں ٹیم ورتھ میں مقیم تھے تو سجاد اور صوفیہ لندن میں تھے اور ہم یہاں 36۔جی میں۔ سجاد بیکار تھا اور لندن کی ویلفیئر ... وظیفہ خوار تھا۔ صوفیہ اور سجاد نے ہر چند ساتھ رہنے کی کوشش کی لیکن او کھے سجاد میں حقیقت سے زیادہ خواب ... اسے ایوب بھائی کی محنت تو نہ مل پائی، ہاں وہ ایسے ہوائی قلعے بنانے میں ماہر ہو گیا جن کی مادی تعبیر مشکل تھی۔

شادی میں طلاق کی وجوہات کو انگلی دھر کر بیان کرنا اور اعداد و شمار سے جانچنا ذرا مخدوش سا کام ہے۔ صوفیہ اور سجاد علیحدہ ہو گئے۔ جب بچے ہوں تو ملنا ملانا تو تقریبات پر ہوتا ہی ہے۔ اسی طرح یہ دونوں بھی بچوں کی ... پر اکٹھے ہوئے لیکن رجوع مستقل نہ ہو سکا۔

اب کچھ سال پرے سجاد نے ایک ہسپانوی خاتون ایما مارٹینٹی سے بیاہ کر لیا ہے۔ بقول سجاد ہسپانوی ... خاندانی نظام کے پیروکار ہیں اور ان کی روایات مسلمانوں سے ملتی ہیں۔ سجاد کی ایک بیٹی اور لالیا خامہ ہے جو پاکستان ... ہی جواد کے بچوں سے گھل مل جاتی ہے اور کسی قسم کی غیریت محسوس نہیں کرتی۔ سجاد حسب عادت ابھی تک ہوائی قلعے ... ہے اور اُن کے ٹوٹنے پر آرام سے آگے نکل جاتا ہے۔

ناہید کا آخری بیٹا میمون اور اس کی بہو اذکا میرے پیارے ملنے والے بچے ہیں۔ ناہید نے میمون کی ... کے ہاتھوں بڑے دکھ اٹھائے لیکن بالآخر خراب میمون صحت مند، خوبصورت اور خوب کام کا انسان ہے، لیکن ناہید ...

گیا ہے۔ان لوگوں کا 36۔جی سے اس وقت تعلق نہ تھا جب خاں صاحب اور میں نقل مکانی کر کے یہاں

دراصل ہمیں تو نبیلہ کی خاطر ناہید گھسیٹ لائی تھی۔ نبیلہ کا اصل نام تابندہ مجاہدہ تھا لیکن کوئی اس اصلی نام سے
ہے۔وہ بنیادی طور پر تھوڑی ماؤف دماغ کا شکار تھی لیکن بڑی ہنس مکھ، محبت کرنے والی روح ہے۔ اُسے
بڑا شفیق شوہر محمد افضل خاں ملا، جو بھائی ایوب کی زمینوں کی دیکھ بھال کرتا تھا اور جو وقت بچ جاتا وہ وقت
ماننے والے' کہہ کر اس کی دیکھ ریکھ میں مصروف رہتا۔

جب ہم 36۔جی میں شفٹ ہوئے یہاں ناہید اور سجاد نہ تھے۔ 36۔جی میں اس وقت نبیلہ کی ساس، اس کا
میں اور افضل خاں بھی رہتے تھے جن کی دیکھ ریکھ میری ذمہ داری تھی۔ میرے ہوتے ہوئے تو یہی کنبہ تھا۔ بعد
کے گھر اللہ نے پانچ بچے دیئے۔ وجیہہ، عثمان، فریحہ، عمران، سلمان اور رضوان۔ اس کے علاوہ غازیہ، جواد، بلال
سے 36۔جی بھرا ہوا تھا۔

آپا فرخندہ کی چوتھی بیٹی غازیہ بڑی جی دار ہے۔ اس کی پہلی شادی گھر والوں نے زبردستی خاں صاحب کی خالہ
بیٹے انصار سے کر دی لیکن اس دھن کی پکی نے اس بندھن کو قبول نہ کیا اور اسے چھوڑ کر نثار سے شادی کر لی۔ یہ
تھے پر اُس نے ماریں بھی سہیں، مظالم کا شکار بھی ہوئی لیکن اپنے سچ کو کسی سے چھپایا نہیں اور اس کی بھاری قیمت

نثار کے ساتھ سنجوگ کے بعد غازیہ لندن شفٹ کر گئی جہاں اس کے تین بچے ہوئے۔ بڑی بیٹی سمیطہ ہے جس
نے پہلے شوہر سے خلع لے کر نام بدل لیا ہے اور اب سحر ارمان کہلاتی ہے۔ جنید خاں جس کی رام کہانی یوں ہے کہ
رائل فیملی کی ایک پرنسس سے لندن میں شادی کر لی لیکن نباہ نہ ہو سکا اور اب لندن میں ایک بڑے لارڈ کی سی
کرتے ہیں۔ جنید خاں جسے ہم سب جو جی کہتے ہیں۔ ان سے چھوٹے فیضی ہیں جن کا اصلی نام فیصل نثار ہے۔
نثار صاحب کی رام کہانی اب تک یہ ہے کہ وہ اپنی پہلی بیوی کے پاس لوٹ گئے ہیں اور اس طرح غازیہ کئی دکھ
سہتے لاہور آتی جاتی ہے، لیکن منہ سے کبھی ایک لفظ شکایت کا نہیں نکالتی۔

جواد کی چھوٹی بہن جو نمبر پانچ پر آتی ہے، آپا جی کی وہ بیٹی ہے جو اس وقت 36۔جی میں موجود تھی۔
تابش بڑی بھلی سی روح ہے۔ پتہ نہیں تابش، جواد اور بلال کس وقت جیوتی بہن کے پاس بیٹھ کر کھانا کھاتے
جب ہو جاتے اور کہاں کہاں پڑ کر سو جاتے۔ ہم دونوں میاں بیوی اپنے پڑھنے لکھنے میں سرگرداں رہتے۔ ہمیں اپنی
بچے ہم کسی کا کیا پتہ لیتے لیکن سردیوں میں جب پچھلے برآمدے میں دھوپ آ جاتی اور ہم وہاں بیٹھ کر کچھ غسل آفتابی
حاصل ہو جاتے تو تابش چائے کا ٹرے اٹھا آتی لیکن کئی بار یا تو اُس سے چائے گر جاتی یا دودھ اوندھا ہو جاتا۔

ایک روز جیوتی نے مجھ سے کہا۔ ''مامی جی ایک دعا کر دیں۔''

''دعا، کیسی دعا؟''

''اس تابش کی شادی کسی ایسی جگہ ہو جائے جہاں آگے اسے خدمت کرنے والا بیٹ مین مل جائے۔ اسے کچھ

کام کرنا نہیں آتا۔"

"شادی سے پہلے کس کو کام آتا ہے جیونی؟"

"ناں جی یہ سیکھ بھی نہیں سکتی۔ اس کا دماغ سیکھنے والا نہیں ہے۔ کوئی فوجی، جس کا کوئی بیٹ مین ہو۔" خاں صاحب بھی کہا کرتے، کوئی عقل کا اندھا اور گانٹھ کا پورا مِل جائے تو نصیب کھل جاتا ہے۔ ... 36۔جی سے چلی گئی اور تابش سے رابطہ ٹوٹ گیا تو پتہ چلا کہ اس نے میجر جاوید اصغر سے شادی کر لی ہے۔ میجر ... ناطے اس کے ساتھ ہمیشہ ایک بیٹ مین منتظر رہا۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اور حیرت انگیز بات ہوئی کہ تابش نے خوب کھانا پکانا سیکھا اور اپنے ... کو اپنے سلیقے سے اپنا مداح بنا لیا۔ تابش کو اللہ نے تین بچے عطا کیے۔ انیقہ سب سے بڑی بیٹی جواب جہانزیب (جیری) کی بیوی ہے۔ اکرام خاں شتو جی کے خالہ زاد بھائی ہیں اور آتی انصار کے بھائی ہیں جن سے عاق... چھٹکارا حاصل کیا تھا۔

انیقہ سے چھوٹا عمیر انجینئر ہے۔ ان سے چھوٹا سیب (گوگن) ہے جس نے ملک چھوڑنے، واپس ... از سرِ نو پڑھائی کرنے کے بعد ایم بی اے کر لیا۔ آج کل تابش تیرہ ویل کے پیچھے عسکری فلیٹس میں رہتی ہے ... شادی سے متعلق بھی متضاد خبریں گھوم پھر رہی ہیں۔

بلال بھی 36۔جی کا باسی تھا، لیکن اس سے کم کم ملاقات رہتی تھی۔ جواد اور بلال برآمدے کے ... پڑھنے میں مشغول رہتے اور کبھی کسی مصیبت یا جھمیلے کا باعث نہ ہوئے۔ بلال نے بعد میں ناہید کی دوست ... سے شادی کر لی جو پٹھان نہیں تھی اور اس طرح بلال کے ہاتھوں بھی ایک پرانی روایت ٹوٹ گئی۔ اس کی بیوی ... بچہ نہ ہوا تو گھر والوں نے پکڑ دھکڑ کر کے اس کی شادی ایک پٹھان لڑکی شمع سے کر دی لیکن بلال اور فائزہ کی محبت ... نہ تھی۔ وہ لندن چلے گئے اور شمع واپس اپنے گھر شیخوپورہ لوٹ گئی۔ اب خالدہ اور بلال کے گھر میں ایک بیٹا آ رہا...

بلال سے چھوٹا عمر کردار خاں ہے، جس نے ایک انگریز لڑکی Jane سے شادی کر لی ہے۔ ان کے گھر ... نے جنم لیا جس کا نام دایان نقش بند ہے اور وہ لندن کا شہری ہے۔

عمر سے چھوٹی مریم ہے جس سے 36۔جی میں ملاقات نہ ہو سکی اور جب ہم دونوں لندن گئے اور ... ایوب بھائی کے پاس ٹھہرے تو پہلی مرتبہ اس سے ملاقات ہوئی۔ مریم کا پورا نام مریم شبیہ ہے اور وہ صلاح الدین ... بزنس مین کی بیگم ہے۔ ان کے تین بچے سارہ فاطمہ خاں، مغیث الدین خاں اور زوحا خاں ابھی بننے کے عمل ... اب جب میں 36۔جی میں نہیں ہوں، مریم اور صلاح الدین قریباً روز جواد کے گھر آتے ہیں۔ صلاح الدین کی ... بڑی شناخت یہ ہے کہ وہ عمران خاں کا رشتہ دار ہے اور زمان پارک میں عمران خاں کے گھر کے قریب ہی رہتا ہے۔

آپ کو شاید یہ ساری تفصیل ناگوار گزری ہو لیکن اس کو بیان کرنے سے میرا ایک مقصد ہے۔ جب ... اور بھانت بھانت کے لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر اپنے نئے وطن پہنچے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ املاک کے ... کچھ اپنی آبائی روایات، شناختیں اور رسم و رواج بھی چھوڑ رہے ہیں۔ اللہ اسی طرح تبدیلیاں لاتا ہے۔ کبھی سیل...

…ے ہلا کر، کبھی چنگھاڑ سے تباہ کر کے۔ جب کوئی معاشرہ بہت جامد ہونے لگتا ہے تو اسے اللہ ہزار طریق سے …بدل دیتا ہے۔

…صاحب کے گھرانے میں سب سے پہلی روایت شبلی خاں صاحب نے کی۔ پھر اشتیاق نے اعجاز بٹالوی کی …کر کے پٹھان در پٹھان شادیوں کی روایت ختم کی۔ اس کے بعد جاوید طارق خاں آپا فرحت کے بیٹے نے …کی بیٹی صدیقہ بیگم (جو بعد میں مدیرہ ''ادبِ لطیف'' بنیں) سے شادی کی اور یہ سلسلہ چل نکلا۔

…فرخندہ اور بھائی ایوب کے گھرانے میں سجاد، نازیہ، تابش، بلال، عمر سردار خاں نے خاندان میں شادی …یت کو اتھل پتھل کر دیا۔ صرف جواد، ناہید اور مریم ہی ایسے تین بچے تھے جنھوں نے باپ دادا کی روایات کا …اور ذاتی خواہشات کو کبھی خاندانی فیصلوں پر حاوی نہ ہونے دیا۔

…کٹر جواد ساجد اپنے والد ایوب احمد خاں کے قریب تر ہے۔ وہ بڑا نامور ہارٹ سرجن ہے اور P.I.C ہسپتال …ہے۔ اس نے ستارۂ امتیاز اور ہلال بھی حاصل کیا ہے اور ساتھ ساتھ وہ بڑی آدرشی روح ہے۔ اپنی والدہ …نے لاہور سے تیس پچیس میل دور شیخوپورہ کے پاس ایک رفاہی ہسپتال کھول رکھا ہے۔ ہر اتوار کو وہ چند …ٹولی لے کر یہاں چلا جاتا ہے اور قریبی دیہاتوں کے غریب دیہاتی جوق در جوق آتے ہیں اور اس سے …ور ہسپتال میں ان ڈور مریض بن کر بھی رہتے ہیں۔

جواد کے ساتھ اس کی ہمت والی خوبصورت بیوی عظمیٰ بھی جاتی ہے اور ہر کام میں جواد کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ جواد …ہیں جن کا ہیرو یا رول ماڈل کیسے جواد ہے۔ مریز جو آسٹریلیا میں ڈاکٹری پڑھ رہا ہے۔ پنکو (نام نقش بندی) …ڈاکٹر بن رہی ہے۔ شندرے (نقش بندی) جو لاہور میں میڈیسن کی تیاریاں کر رہی ہے۔ سب سے چھوٹا …نقش بندی جو ابھی سکول تک پہنچا ہے اور صبح اٹھنے میں حیل و حجت کرنے کا عادی ہے۔

…نے کام میں گہری دلچسپی، آدرشوں سے لگاؤ کے علاوہ جواد اپنے نقش بندی ہونے پر بہت فخر کرتا ہے۔ اسے …ہونے پر مان نہیں بلکہ وہ بھائی ایوب خاں کے آباء پر فخر کرتا ہے جو بہت بڑے صوفی فقیر تھے۔ مشرقی پنجاب …میں اس مزار کی آرائش از سرِ نو کی گئی۔ سکھوں نے جواد کو بلایا اور بڑی عزت و احترام سے اسے گدی نشینی عطا کی۔

لیکن یہ تب کی باتیں نہیں ہیں جب میں 36۔جی میں آئی تھی۔ یہ تو 2007ء کی داستان ہے۔ تب جواد …نابالغ تھا۔ ابھی اس نے دسویں جماعت پاس کرنا تھی۔

میں نے آپ کا تعارف 36۔جی کے مکینوں سے بڑی تفصیل سے کرایا ہے۔ ممکن ہے آپ کو یہ بڑا اضافی …کن میں نے دانستہ کچھ وجوہات کی بنا پر اس تفصیل کو اپنایا ہے۔ حسنِ اتفاق سے آپا فرخندہ کے گھرانے میں …پیدا ہو گئے جو قابلِ ذکر ہیں جن کے متعلق معلومات جمع کرنا غالباً اتنا سہل بھی نہیں۔ ڈاکٹر حسنات احمد، ڈاکٹر …ایوب اپنی اپنی جگہ پر اور عوامی مقبولیت کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہیں۔

ناہید کے بیٹے ڈاکٹر حسنات کو تو لیڈی ڈیانا کی حادثاتی موت انٹرنیشنل شہرت دے گئی۔ پرنس چارلس سے …بعد ڈیانا بیگم بڑے ذہنی انتشار کا شکار ہو گئی تھی۔ اسے دل کے دورے تو نہ پڑتے تھے لیکن احتمال غالب تھا کہ

ڈیانا کا دل متاثر ہو چکا تھا۔ اسی سلسلے میں ڈیانا ہیر سمتھ ہسپتال میں داخل ہوئی جہاں ناقی ان دنوں دل کے عارضے
تھا اور ڈاکٹر مگدی کی شاگردی میں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔

ڈیانا کے دل کا عارضہ تو جاتا رہا لیکن ڈاکٹر اور مریض کا رشتہ کچھ عاشقی، ستائشی اور لکن میٹی کا انداز
ڈیانا بیگم باقاعدگی سے حسنات ناقی کے گھر آنے جانے لگی۔ ڈاکٹر حسنات احمد جسے گھر والے ناقی پکارتے ہیں
اپارٹمنٹ تبدیل کرنے کے چکر میں تھا۔ ڈیانا دوسری منزل کی کھڑکی کھول کر ناقی کی کتابیں، تکیے، چادریں
سامان اوپر سے نیچے پھینکتی جاتی۔ نیچے ناقی اسے بازو پھیلائے کیچ کرتا۔ حسنات کی زندگی میں محبت کیونکر آئی اور
زندگی الجھا کر چلی گئی۔ اس پر کئی کتابیں رقم ہو چکی ہیں۔ ڈیانا کی سائیکوتھریسٹ کی کتاب اس سلسلے میں بڑی
مغربی میڈیا کسی مسلمان کو بخشا نہیں کرتا۔

کھیل کھیل میں، مدد مدد کے چکر میں دونوں بہت قریب آ گئے، لیکن حسنات کے منہ سے اظہار
نکلا۔ آپ ان پٹھان زادوں کو کمینہ یا از حد محتاط کہہ سکتے ہیں لیکن اتنی بات طے ہے کہ حسنات اپنے گھر والوں
خاندانی روایات کو توڑنا نہ چاہتا تھا۔ ایسے میں ڈیانا نے پہل کی۔ اس نے آپا فرخندہ کو خط لکھنا شروع کر
صاحب سے رابطہ قائم کیا۔

خان صاحب نے ڈیانا سے متعلق اپنے ایک انٹرویو میں ڈیانا اور حسنات کے تعلق کو بے نقاب کر
تھی لیکن یہ نقاب کشائی کافی نہ تھی۔ حسنات کی وجہ سے میں نے اس کے خاندان کی تفصیلات جہاں تک مجھے
آپ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ کون جانے ڈاکٹر جواد جوان دنوں ہارٹ کے ہسپتال P.I.C. کے
ایوب، مدخاں جو اپنی جگہ بے حد اہم انسان تھے، کب ان تفاصیل میں سے کونسی کڑی ان بڑے لوگوں کی زندگی
حاصل کرے اور ان لوگوں کی زندگی کی جگہ سول پزل میں عین گم شدہ مقام پر اہم Clue بن جائے۔

دوسری بڑی وجہ اس تفصیل بیان کی میرے نزدیک یہ ہے کہ میں آپ کو بتا سکوں، ہجرت کرنے
ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ وہ اپنوں میں اس قدر گندھے ہوئے رہتے ہیں کہ ہر رشتہ چاہے وہ دور ہی کا کیوں نہ
اہمیت کا حامل رہتا ہے اور اسے توڑنا یا گزند پہنچانا ان کو احساسِ جرم میں مبتلا کرتا ہے۔ حسنات نے بہت کر
گزاری لیکن اپنے گھر والوں کا دل نہ توڑا۔ خاندانی روایات کی پاسداری کی۔ خاں صاحب برسوں تضاد کا
پٹھانوں کی روایات ان کے ہاتھوں چکنا چور ہو گئیں۔ شاید جس کا رنج انہیں تا حیات رہا۔ شاید کبھی کسی مقام
میں یہ تفصیلات اس لحاظ سے بھی اہم ہو جائیں اور آپ اُس بات کی تہہ تک پہنچ پائیں جس تک میری رسائی نہ ہو

آپا فرخندہ خاندان کی ذمہ داری کے بعد جو پہلا ذہنی حادثہ ہمیں پیش آیا وہ 1965ء کی جنگ تھی۔
نہ تھا کہ بھارت کے دل میں اس قدر پاکستان دشمنی ہے۔ وہ طاقت کا ازلی ہتھکنڈہ استعمال کرکے مسا
پاکستان کی بانہہ مروڑ دینا چاہتا تھا تاکہ از خود ہم اُس کے غلام بن جائیں اور خود ہاتھ جوڑے اُس کا اکھنڈ بھارت
پورا کر دیں۔

بھارت کو نہ تب علم تھا اور نہ آج تک اُسے سمجھ آئی کہ اعمال ہمیشہ نیتوں کے ڈانڈوں پر تولے جاتے ہیں۔ ...لے کی نیت میں کھوٹ نہ تھا۔ اسی لیے باوجودیکہ ہم نے بطور قوم اس نعمت کی حفاظت نہیں کی، لیکن اللہ ...ے خیراں" رکھے گا۔

میں آپ کو بتا رہی تھی کہ 1965ء کی جنگ جاری تھی۔ لاہور کے کلچرل باسی ہوائی حملوں کو بھی کوئی کلچرل شو سمجھ ... اوپر سے جہاز گولیاں برساتے اڑتے، لاہور کے پتنگ باز جیالے کوٹھوں پر چڑھ کر نعرے لگاتے۔

...یو سٹیشن ان دنوں بہت سرگرم عمل تھا۔ ساری میڈیا جنگ یہیں سے ہو رہی تھی۔ اشفاق صاحب کا ...زور و شور سے چل رہا تھا۔ میں بھی کچھ شامل باجہ رہتی تھی۔ ان دنوں سٹوڈیوز میں ملکہ ترنم نور جہاں سے ...وہ قومی ترانے باقاعدگی سے گایا کرتی تھیں۔ جس روز میری نور جہاں سے پہلی ملاقات ہوئی، وہ سٹوڈیو ...کر رہی تھیں۔

"...ی رنگ رنگیلا ہائے نی کرنیل نی جرنیل نی۔"

...س کے بعد "تلقین شاہ" کی ریکارڈنگ تھی۔ خاں صاحب اور میں دروازہ کھول کر اندر گئے اور چپ چاپ ...گئے۔ سامنے سفید ساڑھی میں ملبوس برف پوش پہاڑ کی چوٹی کی طرح اللہ کا ایک خوبصورت منظر کھڑا تھا۔ ...وجود اس کے حسن میں کہیں کمی نہ تھی۔ بالوں میں ایک سفید پھول، ہاتھوں میں ہیرے جڑی چوڑیاں، گلے ...یاں..... نور جہاں مکمل طور پر نسوانیت کی پوری طاقت سے لیس ترغیب کی ایک تصویر تھی۔

"...ی رنگ رنگیلا...... ہائے نی جرنیل نی کرنیل۔"

...ھ دیر بعد سازندوں کو جھڑکیاں عطا ہوئیں۔ سارنگی نواز تار ٹھیک کرنے لگا۔ طبلہ نواز ہتھوڑی لے کر طبلے کی جوڑی ...میں مشغول ہو گیا۔ چائے آ گئی۔

نور جہاں خاں صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"آغا جی یہ صوفی صاحب تو غضب کے قومی ترانے لکھ رہے ہیں۔" نور جہاں نے کہا۔

"بھائی ہمارے استاد ہیں۔ وہ نہیں لکھیں گے تو اور کون لکھے گا۔"

میری نگاہوں میں کالج کا وہ زمانہ گھوم گیا جب صوفی صاحب ایم اے کی کلاس میں ہم شاگردوں سے غالب کی ...ے ہو کر باری باری با آواز بلند پڑھوایا کرتے تھے۔

نور جہاں نے مجھ پر ایک ایسی نظر ڈالی جیسے کاٹھ کباڑ سے لدے گودام کو دیکھ رہی ہو۔

"یہ آپ کی بیگم ہیں آغا جی۔" وہ خاں صاحب کو ہمیشہ آغا جی کہتی تھی۔

"بالکل۔ کوئی شک ہے؟"

میں نے ہمیشہ کی طرح سفید لباس پہن رکھا تھا۔ چہرے پر کوئی میک اپ نہ تھا اور جسم پر ایک شادی کی انگوٹھی ...ی زیور نہ تھا۔

"ہائے ہائے جھلی بچی..... اتنا سادہ بے رونق لباس اور بھائی! تم کچھ ڈھنگ کے کپڑے پہنو۔ میک اپ کرو تو

آغا جی کی جوڑی بھی سجے۔ اتنے خوبصورت آدمی کی بیوی۔"

وہ چپ ہوگئی جیسے میری دلآزاری کا خیال آ گیا ہو۔

"دیکھو بی بی، تمہارا شوہر پاکستانی تو لگتا نہیں۔ اطالوی لگے تو لگے۔ اس کے ساتھ تو......"

وہ پھر خاموش ہوگئیں۔ میں نے دل ہی دل میں جملہ مکمل کرلیا۔ ایسے خوبصورت اطالوی مرد کے ساتھ نظر بٹو بھی تو درکار ہے ورنہ اسے تو قدم قدم پر نظر لگنے کا خدشہ ہے۔ بہرکیف اپنی لاٹری نکل آنے پر میں خوش واپس آئی۔

جنگ کے یہ دن ہر پاکستانی پر بھاری تھے۔ خاں صاحب رات کو سوتے وقت انیق اور انیس کو دائیں اثیر کو سینے پر لٹا کر سوتے۔ انہیں اپنا خوف تو شاید نہ تھا لیکن سوچتے ہوں گے، ابھی 1947ء کو بھولے نہیں اور پھر؟ نہ جانے اس جنگ میں کون کس سے بچھڑ جائے۔

پھر اچانک نانا آ گئیں۔ انہوں نے خاں صاحب سے کہا "شفقو! اب لاہور میں ٹھہرنا ٹھیک نہیں میرے ساتھ ملتان کی زمین پر چلو گے۔ زمین ملتان سے بھی اتنی دور ہے کہ جنگ کے اثرات محسوس نہیں ہوں گے

"نانا جی! آپ قدسیہ اور بچوں کو لے جائیں۔ میرا جانا تو مشکل ہے۔ میں تو "تلقین شاہ" سے بندھا میں نے خاں صاحب کو چھوڑ کر جانا منظور نہ کیا اور نانا بچوں کو لے کر ملتان چلی گئیں، جہاں بچوں نے ٹیوب ویل ٹریکٹر پر بیٹھ کر، کھیتوں میں سے کچی سبزیاں توڑ کر ایک لمبی پکنک منائی۔

اسحٰق بھائی بھی جنگ کے دوران دو تین مرتبہ بڑے متوحش آئے اور مشورہ دیا کہ ہم واقعی گاؤں چلے لیکن خاں صاحب بڑے مؤدب طریقے سے خاموش ہوگئے۔ اسحٰق بھائی ذکیہ اور بچوں کے ساتھ ہری پور چلے گئے۔

ان ہی دنوں جب ریڈیو سٹیشن سے رابطہ گہرا ہوا۔ مجھے صابرہ سلطانہ ریڈیو سٹیشن پر ہی ملیں۔ صابرہ بہنایا ہوگیا۔ صابرہ سلطانہ میاں عابد الحق کی دوسری بیگم تھیں۔ میاں صاحب بھاری بھرکم گورے چٹے سفید میں بڑی برداشت تھی۔ اُن کے بیٹوں نے صابرہ آپا کی بیٹی روحی اور انہیں برداشت نہ کیا۔ انہیں خدشہ تھا کہ زمینوں میں اپنا حصہ بخروانہ ثابت کردیں۔ اس سلسلے میں ہمیشہ کی طرح انہوں نے میاں صاحب کو بڑے یہی شرط پیش کی کہ صابرہ آپا کبھی زمین نہیں جائیں گی۔

میاں عابد الحق کا گاؤں کاکاخیل سوات کی سڑک پر مردان سے کوئی سولہ میل دور تھا۔ روحی کے بھائی شمس کاکاخیل کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ صابرہ سلطانہ اُن کی جائیداد ہتھیانے کے لیے دوسری بیگم حالانکہ اس معاملے میں صابرہ بڑی درویش تھیں۔ میاں عابد الحق کے آباء میں کاکاخیل ایک بڑے صوفی بزرگ ہیں۔ نوشہرہ کے قریب اُن کا مزار مرجع خلائق ہے۔ ہر سال عرس کے موقع پر میاں صاحب کے گھرانے شمولیت کرتے ہیں۔

صابرہ سلطانہ بڑی گئو عورت تھیں۔ باوجودیکہ وہ بھی پٹھان والد کی بیٹی تھیں اُن میں غصہ، طیش بھڑک اٹھنا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اُن کی ساری کائنات روحی بیگم تھیں، جنہیں انہوں نے ...sus & Mary

…میں تعلیم دلوا کر یونیورسٹی میں پہنچایا۔ اس ساری تگ و دو میں ان کی ذاتی خواہشات راکھ ہو گئیں۔

…دنوں جب آرٹسٹ لوگوں کی ریڈیو پاکستان پر گہما گہمی تھی، ایک روز خاں صاحب ''آج اور آج کا دن'' …ے۔ اس پروگرام میں وہ ہر روز بتایا کرتے تھے کہ آج کس بڑے آدمی کا جنم دن تھا۔ کس ملک کو آج کے روز …تحریک کی بنیاد ڈالی گئی۔ تاریخ سے نوجوان سامعین کا رشتہ جوڑنے کا یہ انوکھا طریقہ بھی خاں صاحب کے …پیداوری تھی۔

…میں صابرہ کے ساتھ اُن کی بیٹی روحی موجود تھی۔ آپا صابرہ نے خاں صاحب سے تعارف کرایا۔

…خاں صاحب! یہ کی ہے جیسس اینڈ میری سکول میں پڑھتی ہے۔ بڑی ذہین ہے۔''

…اچھا۔ پھر تو تمہیں مبارک ہو۔ میں قدسیہ کو لے کر تمہارے گھر آؤں گا۔''

…آپ کہاں محلے میں ہمارا گھر ڈھونڈتے پھریں گے، ہم ہی آ جائیں گے۔''

…جب صابرہ نے اپنا اتہ پتہ بتایا تو اپنی طبعی فراست کے باعث خاں صاحب چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے۔ …دھیمے لہجے میں بولے۔ ''کسی کو مشورہ دینا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ روم میں میری لینڈ لیڈی کہا کرتی تھی۔ ہر انسان کو …ہونے کا اختیار ہے۔ یہی اصلی جمہوریت ہے لیکن میری رائے ہے کہ اتنی ماڈرن تعلیم کے ساتھ اس کو کسی کھلے …کی ضرورت ہے۔ جب اس کی سہیلیاں وزٹ کے لیے آئیں تو ان پر کوٹھی، باغ کا اچھا تاثر ہو۔''

…خاں صاحب کو علم نہ تھا کہ وہ وقت سے بہت پہلے معیارِ زندگی کے حق میں ووٹ دے رہے تھے۔ مغربی ترقی …کا نظریہ مثبت تھا۔ تو بیچے کسی کسی گھڑی کی بات دل پر اثر کر جاتی ہے۔ صابرہ آپا پر بھی خاں صاحب کی بات کا …ایچ بلاک میں گھر لے کر آ بیٹھیں۔ روحی اور ان کے پاس زیتونی رنگ کی فوکسی تھی جسے میاں صاحب کا ایک …نصیر چلایا کرتا تھا۔ مجھے اور خاں صاحب کو بالکل علم نہ ہوا کہ کب اور کس دن صابرہ آپا نے مکان بدلا۔ بس …کسی میں صابرہ اور کئی آ گئیں۔ ہم دونوں کھانے کے کمرے میں 36۔ جی کی گیلری میں دائیں ہاتھ بیٹھے کھانا …کھانے والے تھے۔ آپا صابرہ نے میں بڑے اعلیٰ مرغی کے تکے، کباب، شوربہ مع سرویٹ کانٹے چھری کے لے کر …آئیں۔ سروس اور صفائی قابلِ داد تھی۔

''بڑا اچھا ہوا۔ اشفاق بھائی! آپ نے کھانا شروع نہیں کیا۔ میں آپ کے لیے مرغی کے یہ تکے بنا کر لائی …خاں صاحب ہمیشہ کھاتے ہیں۔''

''اتنی دور سے کھانا لے کر آئی ہیں آپ۔ غضب کر دیا صابرہ۔''

''دور کہاں۔ میں تو کبھی کی ایچ بلاک میں شفٹ کر گئی ہوں۔''

''کیا؟..... کیا کہا؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''ہو قدسیہ جی۔ اب تو ہم ایک طرح سے آپ کے پڑوسی ہو گئے۔''

''لیکن آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟''

''روحی کہتی تھی کسی دن surprise دیں گے۔ انکل کو surprise اچھا لگتا ہے۔''

پتہ نہیں صابرہ اس تبدیلی سے خوش تھی کہ نہیں لیکن کٹی کھلے درختوں والے ماڈل ٹاؤن میں ایک آزاد پنچھی
طرح لمبی اڑانوں کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

جنگ اور آپا صابرہ کے بعد جو نئی تبدیلی ہمارے نظام زندگی میں آئی، وہ خاں صاحب کی مرکزی اردو بورڈ
تقرری تھی۔ عین 17 جون 1967ء کو خاں صاحب کو قدرت اللہ شہاب نے بیسویں گریڈ کا ڈائریکٹر بنا دیا۔ شہاب
ان دنوں سیکرٹری ایجوکیشن تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے لندن میں انڈیا آفس کی میموریل لائبریری کا ڈائریکٹر
کو بنا دیا۔ پتہ نہیں یہ اعزاز ان اداروں کا تھا کہ انشؔ جی اور خاں صاحب کا لیکن ان دونوں حضرات نے خوب
اتنی کتابیں خاں صاحب نے چھاپ دیں کہ آج تک اردو بورڈ ان کتابوں کی رائلٹی کھا رہا ہے۔ خاں صاحب
پوسٹنگ 1967ء سے 2 جولائی 1989ء تک بیسویں گریڈ میں رہی۔ پھر بینظیر صاحبہ تشریف لائیں۔ تلقین شاہ
پروگرام سے ناخوش ہو کر انہوں نے خاں صاحب کو اردو بورڈ سے معطل کر دیا۔ ساتھ ہی تلقین شاہ بھی ریڈیو سے
گیا۔ پھر 26 مارچ 1991ء کو دوبارہ اشفاق صاحب کو اردو بورڈ کا ڈائریکٹر جنرل بنا دیا گیا اور بائیسواں گریڈ
مہربانی جناب نواز شریف نے کی تھی اور بڑی معذرت کے ساتھ کہا تھا۔ ”مجھے افسوس ہے اشفاق صاحب! ہم اپنی
کے محسنوں کو نہیں جانتے۔ انہیں معلوم نہیں کہ آپ ایک Living Legend ہیں۔ آپ جیسے لوگ بار بار
ہوتے۔ ہمیں ان لوگوں کی قدر کرنی چاہیے جو قوم کا رول ماڈل ہیں۔ چاہے ہمارا آپ کا مسلک ایک نہ
نواز شریف کی مہربانی سے خاں صاحب 26 مارچ 1991ء سے 12 جون 1993ء تک اردو بورڈ میں ڈائریکٹر جنرل
اور بائیسویں گریڈ تک جا پہنچے۔ ہماری انا کے لیے یہ ترقی بڑی ہی تسلی بخش تھی اور گو ہم ایک دوسرے سے بھی
کرتے تھے لیکن اندر ہی اندر اس جیت پر پھولے نہ سماتے تھے۔

آپا صابرہ، اردو بورڈ کے علاوہ ایک اور بھی تازہ پانی ہماری زندگی میں شامل ہوا۔ یہ ریاض محمود
تعارف ان ہی کی زبانی سنیے۔ ان کا ذاتی مضمون ملاحظہ کیجیے۔

جب میں نے ہوش سنبھالی تو ہم لوگ احاطہ فیروز دین فلیمنگ روڈ میں رہتے تھے۔ ہمارے اور مو
اختر شیرانی صاحب کے گھر کی دیوار مشترک تھی۔ میری والدہ ایک میز پر کھڑی ہو جاتیں اور دوسری جانب
شیرانی بھی میز پر کھڑی ہوتیں۔ دونوں خواتین گھنٹوں باتیں کرتی رہتیں۔ اکثر میں دیکھتا کہ بیگم اختر شیرانی رو رہی
میری والدہ انہیں تسلی دے رہی ہیں۔ میں والدہ سے بعد میں پوچھتا کہ بیگم اختر شیرانی کیوں رو رہی تھیں تو وہ بات
اُدھر کر جاتیں۔ اختر شیرانی صاحب کا ایک بیٹا میرا ہم عمر تھا۔ ہم اکثر اُن کے گھر جاتے۔ وہاں جانے میں تین
تھے۔ ایک تو دوست سے ملاقات۔ دوسرے دوست کی ٹرائی سائیکل چلانے کا مزا اور تیسرے گرمی کے دنوں میں خوشبو
بھرا صندل کا شربت جس کا ذائقہ مجھے آج بھی یاد ہے۔

احاطہ فیروز دین میں ایک کنواں تھا جس کا پانی بہت ٹھنڈا ہوا کرتا تھا۔ کنوئیں کے ساتھ ہی مسجد تھی
نمازی اسی کنوئیں کے پانی سے وضو کیا کرتے تھے۔ بچپن سے لے کر جوانی کے آخری دنوں تک میں خواب دیکھا

کنوئیں سے پانی نکالنے کے لیے ڈول ڈالا۔ ڈول بھر گیا، میں پانی نکال رہا ہوں کہ ڈول بھاری ہونے کی وجہ
میں گر گیا ہوں۔ یہ خواب عرصے تک مجھے پریشان کرتا رہا لیکن اب کئی سالوں سے نہیں۔

میری پیدائش 2 جولائی 1936ء کی ہے۔ 42-1941ء میں جبکہ میں پانچ چھ سال کا تھا، دوسری جنگِ عظیم
تھی۔ احاطہ فیروز دین میں صرف فیروز دین صاحب کے گھر میں ہی ریڈیو تھا۔ شام کو احاطے کے سب لوگ حاجی
بیٹھک میں جمع ہو جاتے اور ریڈیو پر خبریں سنا کرتے۔ میں بھی اپنے والد کے ساتھ حاجی صاحب کی بیٹھک
میں اس لیے نہیں کہ مجھے خبروں میں کوئی دلچسپی تھی، بلکہ اس لیے کہ حاجی صاحب گھر آئے مہمانوں کی تواضع
فروٹ کیک سے کیا کرتے تھے۔

اُن دنوں چائے سے تو مجھے ایسی دلچسپی نہ تھی البتہ فروٹ کیک میں بڑے شوق سے کھاتا۔ دوسرے وہاں جانے
کی غرض یہ تھی کہ میں اس شخص کو دیکھنا چاہتا تھا جو ریڈیو کے اندر بیٹھ کے خبریں پڑھا کرتا تھا۔ میری وہ خواہش تو پوری
نہ ہوئی پھر ایک دن ایسا آیا کہ میں خود ریڈیو کا حصہ بن گیا۔

میری والدہ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مجھے کسی انگریزی سکول سے تعلیم دلوائیں۔ اسی خواہش کے پیشِ نظر انہوں
نے مجھے ...سن روڈ کے ایک سکول میں داخل کروا دیا جس کی پرنسپل، مالک اور ٹیچر ایک بوڑھی سی یورپین لیڈی تھی۔ یہ سکول
...اخبار کے ساتھ والی گلی کے آخر میں واقع تھا۔

سکول میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ساتھ تعلیم دی جاتی تھی جبکہ وہاں پرنسپل صاحبہ کے خرگوش اور اُن کا بیٹا دن
...تے تھے اور ہم بچے کلاس روم میں سے انہیں دیکھا کرتے تھے۔ اچانک پرنسپل صاحبہ نے لندن واپس جانے کا
...سکول بند ہو گیا اور مجھے میاں شاہ ابو المعالی کے پرائمری سکول میں داخل کروا دیا گیا، جو لاہور ہوٹل کے عقب
...تھا۔ اسی سکول میں ہمیں ایک دن کھانے کے لیے لڈو دیے گئے اور بتایا گیا کہ اتحادیوں کو دوسری جنگِ عظیم میں
...ہے۔

شاہ ابو المعالی پرائمری سکول سے چار جماعتیں پاس کرنے کے بعد میں نے وطن اسلامیہ ہائی سکول میں جو کہ
...نج سول لائنز سے ملحق تھا، پانچویں جماعت میں داخلہ لے لیا۔ اُن دنوں تحریکِ پاکستان زور و شور سے جاری تھی۔
...ہم پانچویں جماعت کے طلبا کو علم ہوا کہ آج ایک جلوس اسمبلی ہال کے سامنے مظاہرہ کرے گا۔ میں اور میرا دوست
...بھی سکول سے بھاگ کر اس جلوس میں شرکت کے لیے جا پہنچے۔

ہمارے سامنے ایک شخص نے اسمبلی کی عمارت پر چڑھ کر یونین جیک کو نذرِ آتش کر دیا۔ پھر ایک بھگدڑ سی مچ
...ری آنکھوں میں جلن ہونے لگی اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ ایک بھلے مانس نے ہم بچوں کو بھگدڑ میں دیکھا تو دو
...ں دیتے ہوئے کہا کہ بچو! بس اب فوراً گھر کو بھاگ جاؤ۔

1947ء کے فسادات بڑے ہولناک تھے۔ اکثر سڑکوں پر لوگوں کی لاشیں پڑی نظر آتیں۔ عمارتوں کو آگ لگا
...ور ہم چھتوں پر چڑھ کر جلتی ہوئی عمارتوں سے نکلنے والا دھواں دیکھا کرتے تھے۔

میرے بڑے بھائی کی شادی فیروز پور کے ایک پٹھان خاندان میں ہوئی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ لوگ

فیروز پور سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ میری بھابھی کے نام سے رحمان پورہ میں ایک کوٹھی الاٹ کروالی گئی اور ہم ستمبر 1947ء کے آخر میں رحمان پورہ منتقل ہو گئے۔

میرے والد ریلوے میں ملازم تھے لیکن بعد میں نوکری چھوڑ کر کاروبار کرنے لگے۔ ہم تین بھائی تھے، بہن نہ تھی۔ 1948ء میں میری بھابھی جن کا نام نسیمہ تھا، انتقال کر گئیں۔ انہیں تپ دق تھی اور اس زمانے میں اس مرض کا سوائے موت کے کوئی علاج نہ تھا۔ بھابھی کے ساتھ میری بڑی دوستی تھی۔ ان کی وفات کے بعد میں اکثر خواب دیکھتا کہ وہ مری نہیں ہیں بلکہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔ قبر میں دبانے کے بعد وہ ہوش میں آ گئیں اور اپنے اوپر پڑی ... کر کفن میں ملبوس ہمارے گھر کے دروازے پر پہنچ کر دستک دے رہی ہیں۔ خوف سے میری آنکھ کھل جاتی۔ دل زور سے دھڑکتا اور رات کا باقی کا حصہ میں جاگ کر گزارتا۔

پڑھائی میں میں کچھ ایسا اچھا نہیں تھا لیکن جیسے تیسے کر کے میں نے 1953ء میں میٹرک کر لیا۔ انہی دنوں ... صاحب کو کاروبار میں پے در پے گھاٹوں اور کچھ کاروباری ساتھیوں کی بددیانتی کی وجہ سے کٹھن مالی مشکلات میں ... رہا تھا۔ میرا داخلہ ایف سی کالج میں ہو گیا لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ داخلہ فیس دینے کے لیے والد صاحب کے پاس ... نہیں تھے۔ چنانچہ میں پڑھائی چھوڑ کر والد صاحب کے ساتھ کام کرنے لگا۔ ایم اے تک تعلیم میں نے بعد میں حاصل ...

میرے ننھیال والے انارکلی میں رہتے تھے جہاں ان کی بہت جائیداد تھی، لیکن نسل در نسل بٹنے اور پھر ... فروخت کر کے کھلے علاقوں میں رہائش اختیار کر لینے کے باعث اب وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ میں بہت چھوٹا تھا ... انارکلی میں اپنی پڑنانی سے ملنے اپنی والدہ کے ہمراہ جایا کرتا تھا۔ ہم سب انہیں ماسی وڈی کہا کرتے تھے۔ وفات ... حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار سے ملحق قبرستان میں دفن ہوئیں۔

میرے سگے ماموں اور دوسرے کئی رشتے دار قیام پاکستان سے قبل ہی رحمان پورہ، اچھرہ، معراج دین ... فیروز پور روڈ پر جامعہ اشرفیہ کے سامنے آن بسے تھے۔ ہم لوگ فلیمنگ روڈ سے انہیں ملنے کے لیے آیا کرتے ... زمانے میں بسیں، رکشے یا ویگنیں تو ہوا نہیں کرتی تھیں۔ تانگے ہی لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا ... کرتے تھے۔ جب ہم فلیمنگ روڈ سے فیروز پور روڈ یا رحمان پورہ آتے تو سالم تانگہ بارہ آنے کا ملتا تھا۔

1960ء میں میں نے ریڈیو جوائن کیا اور یہیں میری ملاقات اشفاق احمد صاحب سے ہوئی۔ "گڈریا" ... چکا تھا اور مصنف کے انداز بیاں کا معترف تھا۔ ریڈیو سٹیشن پر اشفاق احمد صاحب کا آنا جانا اکثر رہتا۔ وہ ان دنوں روزنامہ "لیل و نہار" کے ایڈیٹر تھے، لیکن کچھ عرصہ بعد ہی "لیل و نہار" چھوڑ کے ریڈیو لاہور کے ساتھ بطور سکرپٹ رائٹر ... ہو گئے۔ اُن دنوں ان کے پاس بھی سکوٹر تھا اور میرے پاس بھی۔ ہم لوگ دفتر سے نکلتے۔ سڑکوں پر رش بالکل نہیں ہوتا تھا ... آہستہ آہستہ سکوٹر چلاتے مزنگ چونگی پہنچتے۔ عثمان کی دکان سے سانچی پان خرید کر کھاتے۔ گپیں لگاتے اور شام کے ... گہرے ہونے کے بعد وہ سمن آباد اور میں رحمان پورہ کی راہ لیتا۔

1965ء میں اشفاق صاحب سمن آباد سے ماڈل ٹاؤن منتقل ہو گئے اور بعد میں انہوں نے ماڈل ٹاؤن میں ... اپنا گھر بنا لیا۔ 1966ء میں میری شادی ہوئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ شادی کے بعد میں علیحدہ رہوں گا کیونکہ میں سمجھتا تھا

میں بہت خرابیاں اور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی شادی کے بعد ماڈل ٹاؤن میں ہی
ن میں رہنے لگا جو اشفاق صاحب کے پڑوس میں تھا۔

اشفاق صاحب بتانے لگے کہ میں کسی زمانے میں فلیمنگ روڈ میں رہتا تھا۔ بعد میں کچھ عرصہ اچھرہ
اج بلڈنگ میں رہا۔ بعد میں مزنگ روڈ، سمن آباد اور پھر ماڈل ٹاؤن۔ میں نے عرض کیا کہ فلیمنگ روڈ تو
اچھرہ اڈہ کے پاس معراج بلڈنگ میں میرے ایک رشتے دار رہتے تھے۔ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔
میں بھی اکثر جانا ہوتا تھا اور اب ماڈل ٹاؤن میں تو آپ کا پڑوسی ہوں ہی..... اشفاق صاحب مسکراتے
تم نے بھی میرا ''کھیڑا'' کبھی چھوڑا نہ۔

عنایتیں، محبتیں اور شفقتیں ہی اب زندگی کا سرمایہ ہیں۔ یادوں کے علاوہ اور کون سا اثاثہ انسان کے پاس

''داستان گو'' سے متعلق ریاض محمود صاحب لکھتے ہیں۔

''داستان گو'' (داستان سرائے)

اشفاق احمد مرحوم..... آج بھی انہیں مرحوم لکھتے ہوئے قلم کانپ جاتا ہے۔ یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ جو بھی
یا ہے ایک نہ ایک دن جانا ہی ہے لیکن اشفاق احمد ایسا تندرست، زندگی سے بھرپور، ذہین اور دوسروں کے
انسان اس قدر جلد اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

اشفاق صاحب سے میری پہلی ملاقات پرانے ریڈیو سٹیشن میں ہوئی۔ سردیوں کے دن تھے۔ چند روز پہلے
اور تیز ہوا نے سردی میں اضافہ کر دیا تھا۔ تاج الدین صاحب، اکرم بٹ صاحب، سعید مرزا صاحب اور
بیٹھے گپ شپ میں مصروف تھے کہ اتنے میں ایک صاحب ہاتھ میں مونگ پھلی کا لفافہ لیے ہمارے درمیان
لفافہ کھل گیا۔ چائے آ گئی اور ہم سب مونگ پھلی کھانے، چائے پینے اور ان صاحب کی باتیں سننے میں
میرے سوا سب ان سے واقف تھے اور خاں صاحب کہہ کے مخاطب کرتے تھے۔

خاں صاحب ایک خوبصورت انسان تھے لیکن ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی خوش گفتاری تھی۔ بات کہنے کا
جس میں مزاح کی چاشنی، علم، مشاہدے اور تجربے کا ایسا اظہار کہ ہر سننے والے کی یہ خواہش ہوتی کہ وہ
اور وہ سنتا جائے۔

جب خاں صاحب اس وعدے کے ساتھ رخصت ہوئے کہ جلد ہی پھر ملیں گے تو میں نے اکرم بٹ صاحب
یہ خاں صاحب کون ہیں۔ بٹ صاحب نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پوچھا تم نہیں جانتے خاں
میں نے کہا نہیں۔ میں نے تو آج پہلی بار انہیں دیکھا ہے۔ بٹ صاحب کہنے لگے، یار اشفاق احمد خاں
افسانہ نگار۔

''گڈریا والے؟'' میں نے پوچھا۔

''بالکل وہی۔'' بٹ صاحب نے جواب دیا۔

یہ غالباً 1960ء کی بات ہے۔ اشفاق صاحب ان دنوں ہفت روزہ ''لیل ونہار'' کے ایڈیٹر تھے۔ کے بعد وہ ''لیل ونہار'' کی ایڈیٹری چھوڑ کر ریڈیو پاکستان لاہور سے بہ حیثیت سکرپٹ رائٹر منسلک ہو گئے۔ شعبہ رورل کنسٹرکشن میں کام کرتا تھا۔ اشفاق صاحب بھی اس شعبے سے وابستہ ہو گئے۔ میری نیاز مندی میں اضافہ ان کی محبت اور شفقت بھی بڑھتی گئی اور یہ سلسلہ ان کے اس جہانِ فانی سے رخصت ہونے تک جاری رہا۔

اشفاق صاحب ہمیشہ نئی بات سوچتے، ریڈیو پروگراموں میں مختلف قسم کے تجربے کرتے اور لکیر کے رویے کو ناپسند فرماتے۔ یوں تو انہوں نے ریڈیو کے لیے ہر نوعیت کے پروگرام پیش کیے جن میں فیچر، دستاویزی تقاریر اور انٹرویوز شامل ہیں لیکن ان کا اصل میدان ڈرامہ تھا۔ ریڈیو ڈرامہ نسبتاً ایک نئی چیز تھی اور اس کے لیے کی تعداد بہت کم تھی۔ ریڈیو صرف اور صرف آواز کا میڈیم ہے، جس میں مصنف اور پروڈیوسر صرف صوتی ذریعے ہی ہر چیز اپنے سننے والے تک پہنچاتا ہے جبکہ ٹیلی ویژن اور فلم میں آواز کے ساتھ اداکاروں کی حرکات میک اپ، لباس اور سیٹ مصنف کی بات کو مؤثر ترین انداز سے دیکھنے والے تک پہنچاتے ہیں۔ اس لیے ریڈیو لکھنا اور اسے پروڈیوس کرنا زیادہ مشکل ہے۔

لیکن جہاں ریڈیو صرف آواز تک ہی محدود ہے، وہیں اس کا ایک مضبوط پہلو بھی ہے کہ سننے والوں آواز کی لہروں سے موصوف ہونے والے سگنلز سے اس منظر کی ایک تصویر اپنے ذہن میں بنا لیتا ہے، جیسے وہ ہے۔ ظاہر ہے اپنے تصور کے زور پر بنائی تصویر ہر شخص کو پسند ہوتی ہے اور یہ ریڈیو کا وہ مضبوط پہلو ہے جو اسے فلم پر سبقت دلواتا ہے۔

اشفاق صاحب کو تجربات کرنے کا بہت شوق تھا۔ گھر میں وہ مختلف قسم کے سر کے اور کریمیں بناتے جو باکمال بن جاتیں اور کبھی ناکام ہو جاتیں۔ اسی طرح وہ اپنے افسانوں، ریڈیو ڈراموں اور ٹیلی ویژن پروگراموں مختلف تجربات کرتے رہتے۔ ریڈیو ڈرامہ عام طور پر سٹوڈیو میں صوتی اثرات کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے صاحب نے ''دس دسمبر'' کے نام سے ایک ایسا ڈرامہ لکھا جو تمام کا تمام سٹوڈیو سے باہر ریکارڈ کیا گیا تھا۔ ریڈیو ڈرامے میں ایسی کوئی مثال موجود نہ تھی۔ اس ڈرامے کے فنکاروں میں جمیلہ اختر، آفتاب احمد، ڈاکٹر انور اشفاق احمد شامل تھے۔

اسی طرح جب پروگرام تلقین شاہ شروع ہوا تو اس میں بھی اشفاق صاحب نے بولنے کا وہ لہجہ اختیار پنجابی اور اردو بولنے والے یکساں طور پر سمجھ سکتے تھے۔ یہ لہجہ پٹیالے کی بولی تھا۔ اشفاق صاحب نہ پٹیالے کے والے تھے اور نہ پٹیالے کی بولی ہی کے آشنا لیکن جس روانی سے وہ اس بولی میں بات کرتے اس کو سن کے یہ محسوس وہ پٹیالے ہی کے رہنے والے تھے۔

پٹیالے سے ہجرت کر کے پاکستان آنے والے اکثر حضرات ان سے پوچھا کرتے تھے کہ وہ پٹیالے میں رہتے تھے۔ اشفاق صاحب کہتے ''سنام میں گھر تھا اپنا''

وہ صاحب کہتے ''ہم بھی سنام کے رہنے والے ہیں۔ کبھی ملاقات نہ ہوئی آپ سے وہاں۔''

شفاق صاحب کہتے "بس اتفاق اے جو ملاقات نہ ہوئی، آپ تاں شاید چھوٹے ہوں گے اس وقت۔"
شفاق صاحب کا مشاہدہ عمیق اور کان بہت تیز تھے۔ پٹیالوی لب و لہجے میں بات کرنے کا فن انہوں نے کرشن
نگر والے ایک ڈاکٹر صاحب سے سیکھا۔ تلقین شاہ 1962ء میں شروع ہوا۔ اُس وقت اس پروگرام کا نام
ے تھیہ تھا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران اس کا نام بدل کر "تلقین شاہ" رکھ دیا گیا۔ ریڈیو پاکستان کو
فخر ہے کہ تلقین شاہ اس کا بیالیس سال تک چلنے والا پروگرام ہے۔ غالباً دنیا کے کسی نشریاتی ادارے سے اتنے
عرصے کے لیے کوئی پروگرام نہیں چلا۔ اسی بنا پر اسے گینز بک آف انفرمیشن میں دوسری جگہ ملی ہے۔

ہرچند کہ اشفاق صاحب پرنٹ میڈیا کے لیے بھی لکھتے تھے لیکن پھر ان کی زیادہ توجہ الیکٹرونک میڈیا کی طرف
رہی جس کی وجہ سے ان کے بہت سے قریبی دوست جن میں ممتاز مفتی اور اے حمید بھی شامل تھے، ان سے ناخوش
رہے۔ ان دوستوں کا استدلال یہ تھا کہ اشفاق احمد بنیادی طور پر ایک افسانہ نگار ہے جو اپنی صلاحیتوں کو الیکٹرونک
میڈیا پر ضائع کر رہا ہے۔ جو چیز ہوا کی لہروں سے سننے والے تک پہنچی، وہ ایک بار نشر ہونے کے بعد ختم ہوگئی جبکہ چھپی
ہوئی تحریر ہمیشہ کے لیے رہ جاتی ہے۔ اشفاق صاحب کے تقریباً سبھی ڈرامے اور فیچر تلقین شاہ آج کتابی صورت میں بھی
موجود ہیں۔ اس دوران کے ٹی وی ڈرامے سی ڈی پر اور ریڈیو فیچر کے کیسٹ بھی بازار سے مل جاتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اشفاق احمد شاید وقت سے کوئی پچیس تیس سال پہلے پیدا ہو گئے تھے۔ ان کا ذہن آنے والے
دور تک دیکھ سکتا تھا، عام ذہن وہاں تک نہیں پہنچ پاتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ریڈیو، ٹی وی، کمپیوٹر اور ابلاغ کے
ذرائع آنے کے بعد کتابوں کی اہمیت ویسی نہ رہے گی جیسی پہلے ہوا کرتی تھی۔ شاید اسی لیے انہوں نے خود کو ٹیلی
ویژن کے ساتھ عام لکھنے والوں سے بہت پہلے وابستہ کر لیا۔ ان پر تنقید کرنے والے بعد میں خود بھی الیکٹرونک
میڈیا کے لیے لکھنے والوں میں شامل ہو گئے۔

نومبر 1964ء میں جب پاکستان ٹیلی ویژن نے لاہور سے اپنی تجرباتی نشریات کا آغاز کیا تو اس وقت اس
کے پاس اسلم اظہر، ذکا درانی مرحوم (جن کا چھانگے مانگے میں ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا) فضل کمال مرحوم اور محمد
نثار حسین جیسے ذہین اور محنتی پروڈیوسر تو موجود تھے لیکن پروگراموں کے میزبان، ڈرامہ لکھنے والوں اور اداکاروں کی سخت
کمی تھی۔ ٹیلی ویژن کی تجرباتی نشریات کا آغاز ہو گیا لیکن کسی ایسی اکیڈمی یا ادارے کے فقدان کے باعث جو ٹیلی ویژن
کے لیے لکھنے والوں، فنکاروں یا میزبانوں کی تربیت کر سکے، یہ کام بھی ٹیلی ویژن پروڈیوسروں اور اشفاق احمد کے حصے
میں آیا۔

انہوں نے جہاں ٹیلی ویژن کے لیے بڑے جاندار ڈرامے لکھے، وہیں انہوں نے ریڈیو، سٹیج اور باہر سے لیے
گئے فنکاروں کی ایک ایسی ٹیم بنا دی جس نے اپنی محنت اور لگن سے ٹیلی ویژن ڈراموں کو عوامی مقبولیت بخشنے میں بھرپور
کردار ادا کیا۔ ٹیلی ویژن کے ابتدائی دور میں جہاں اشفاق صاحب نے "ٹاہلی تھلّے" "اُچے برج لاہور دے" اور
"قلعہ کہانی" جیسے مقبول سلسلے وار کھیل تحریر کیے وہیں فرید احمد، ایوب خاں، قمر چوہدری، راقم الحروف، نذیر حسینی، انور
سجاد، صابرہ سلطانہ، ڈاکٹر جہانگیر، جمیل بسمل اور عطیہ شرف کے ساتھ بے شمار دوسرے فنکاروں کو بھی ٹیلی ویژن ڈراموں